اردو کی ادبی نثر کی اصناف

ڈاکٹر گیان چند

میرے نزدیک نظم اور نثر میں فنی ما بہ الامتیاز دو ہیں۔

۱۔ نثر میں عروضی وزن یعنی کسی مخصوص نظام والا وزن نہیں ہوتا۔

۲۔ اس کے جملوں اور فقروں میں بالعموم اس زبان کی نحوی ترتیب برقرار رکھی جاتی ہے۔

ان دونوں میں پہلی شق زیادہ اہم ہے۔ ذرا ٹھہر کر ان دونوں نکتوں پر غور کرتے چلیں۔

نثر کی ایک قسم نثرِ مرجز میں بعض علما کے نزدیک عروضی وزن ہوتا ہے، قافیہ نہیں ہوتا۔ مثلاً بحر الفصاحت کے مطابق امیر مینائی کے تذکرے انتخابِ یادگار کی تقریظ میں آغا غنی کی نثرِ مرجز کا ہر فقرہ مفعول مفاعیلن کے وزن پر ہے۔

"دیوانِ حقیقت کے، مطلع کے ہیں دو مصرع۔ اک حمدِ الٰہی ہے، اک نعتِ پیمبر ہے، اس مطلعِ روشن کے معنیٔ منور سے، ہر ذرہ بھی ہے واقف۔ . . . . . . دربار میں حاضر ہیں، نقادِ زرِ معنی۔۔۔۔"[1]

پہلی بات تو یہ کہ میرے پاس یو پی اردو اکیڈمی کا انتخابِ یادگار کا عکسی ایڈیشن ہے۔ اس میں آغا علی نقی غنی کی جو نثری تقریظ ہے وہ مندرجہ بالا نہیں بلکہ ایک اور نثر ہے۔ یہ مرجز نہیں، اس میں کسی قسم کا وزن نہیں، ہاں دو جملوں کے بیچ قافیہ ضرور ہے۔ خدا معلوم نجم الغنی نے مندرجہ بالا نمونہ کہاں سے لیا اور کیا اسے آغا غنی نے نثر قرار دیا تھا؟ اس نمونے میں نثر کی کون سی بات ہے۔ شعری وزن ہے نثر کی فطری ترتیب الٹ پلٹ کر دی گئی ہے: 'مطلع کے ہیں دو مصرع'، 'ہر ذرہ بھی ہے واقف'، 'حاضر ہیں نقادِ زرِ معنی'۔ یہ نثرِ مرجز نہیں نظمِ معرا ہے۔

بعض دیگر علما کے مطابق نثرِ مرجز کے دو جملوں کے الفاظ آپس میں ہم وزن ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر عنوان چشتی[2] نے نثرِ مرجز کی ان دونوں تعریفوں پر بحث کر کے دوسرے نظریے پر صاد کیا۔ میرے نزدیک بھی یہی درست ہے۔

اردو کی نہیں، انگریزی کی آزاد نظم معاملے کو الجھاتی ہے۔ اس میں بعض اوقات عروضی وزن کو کم زیادہ کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات وزنِ شعر کی جگہ محض ایک آہنگ پر تکیہ کیا جاتا ہے۔ موخر الذکر صورت میں یہ نظم و نثر کے ڈانڈوں کے بیچ کی کوئی صنف ہو جاتی ہے۔ شکر ہے کہ اردو کی آزاد نظم میں ہمیشہ عروضی وزن ہوتا ہے۔

---

[1] نجم الغنی: بحر الفصاحت ص ۱۱۲۰۔ لکھنؤ ۱۹۲۶ء

[2] اردو شاعری میں ہیئت کے تجربے ص ۱۱۰۔ دہلی جولائی ۱۹۷۵ء

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۱۲
ٹیلیفون ۵۲۵۲۵
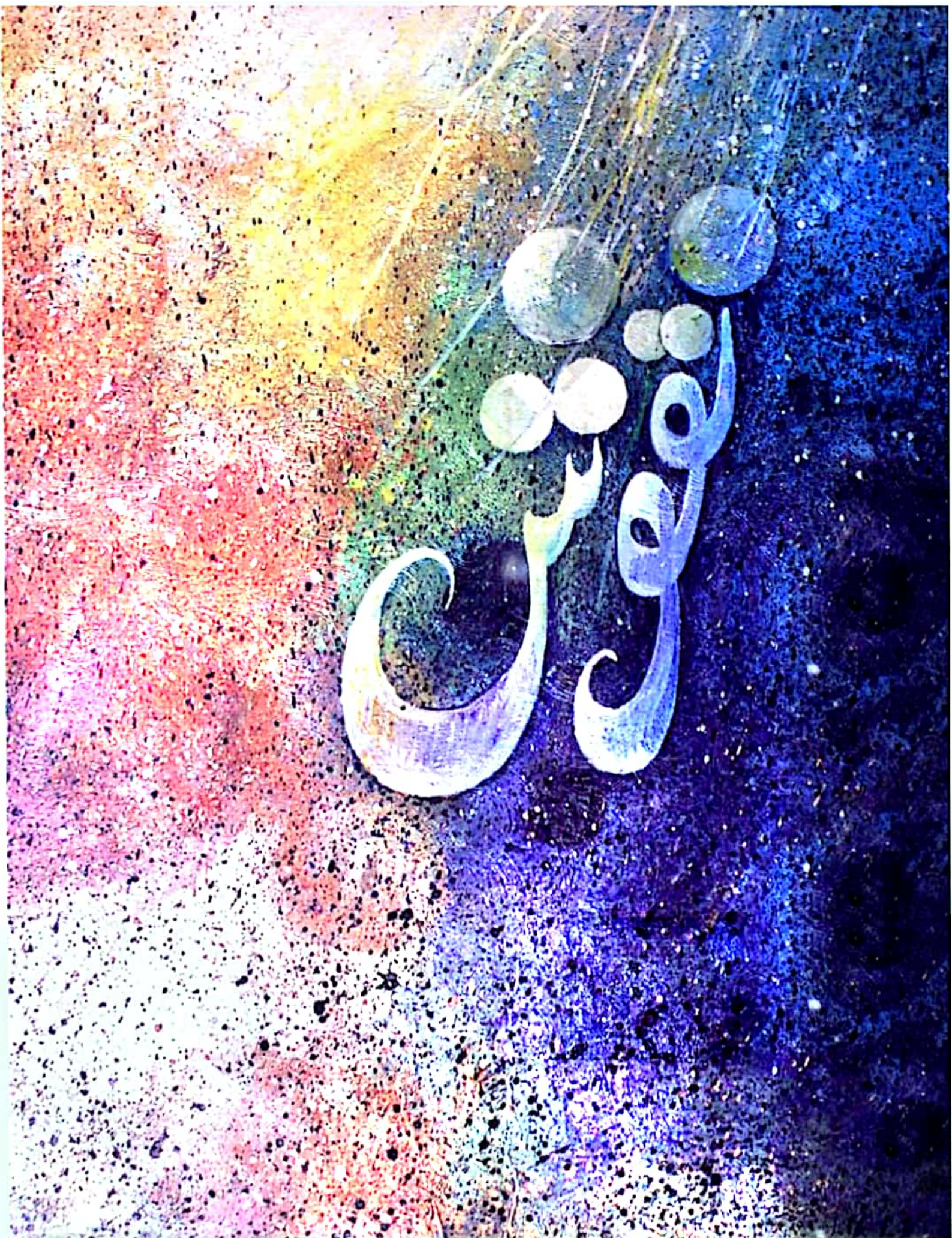
زندگی آمیز اور زندگی آموز ادب کا نمائندہ

نقوش

شمارہ نمبر ۱۳۴
دسمبر ۱۹۸۶ء

بانی

محمد طفیل

مدیر

جاوید طفیل

ادارۂ فروغِ اردو ○ لاہور

قیمت ۱۰۰ روپے

ترتیب

مقالے

علامہ محمد حسن لطیفی

افسانے ـــــ خواتین افسانہ نگاروں کی تحریریں

نثر کی دوسری خصوصیت نحوی ترتیب کی پابندی ہے مثلاً اردو جملے میں فاعل مفعول فعل کی ترتیب ہوتی ہے فعل کا جملے کے آخر میں آنا ضروری ہے لیکن شاذ نثر میں بھی ایسا نہیں ہوتا مثلاً :-

مانی پڑی نا ہماری بات ؟

کہا تو تھا اس نے لیکن میں نے دھیان نہیں دیا ۔

مارے گئے گلفام ۔

لیکن یہ استثنائی صورتیں ہیں جن میں فعل کے مفہوم پر زور دینے کے لیے فعل کو جملے کے اوّل میں لے آیا گیا ہے ۔ یہ سب روزمرہ کے مطابق ہیں ۔ بعض اوقات شعر میں بھی نثر کی ترتیب ہوتی ہے مثلاً : ؎

کیفیتوں کو ہوش سا آتا چلا گیا

بے تابیوں کو نیند سی آتی چلی گئی (جگرؔ)

———

فلک کے چاند ! میں نے بھی زمیں پر چاند دیکھا ہے

اور اس کے بعد سارے جہاں کو ماند دیکھا ہے (بہزاد)

لیکن عروضی وزن انھیں نثر کہنے کے منافی ہے ۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اُردو کی حد تک ہمارے آپ کے ذہن میں نظم و نثر کا ایک واضح امتیازی تصور ہے ۔

عربی فارسی اور اردو کے قدیم ادب میں شاعری ہی کو ادب سمجھا گیا نثر کو اہمیت نہیں دی گئی ۔ اردو میں غدر کے بعد ہی نثر نے آہستہ آہستہ اپنی جگہ بنائی ہے ۔ بلاغت کی کتابوں میں شاعری ہی کا ذکر ہوتا ہے ۔ نثر پر یا تو سرے سے کچھ لکھا ہی نہیں جاتا یا برائے نام دو تین صفحوں پر اکتفا کی جاتی ہے ۔ بلاغت میں ' اصناف نثر ' کا نہیں ' اقسام نثر ' کا بیان ہوتا ہے ۔ ترقی اردو بورڈ دہلی سے درس بلاغت کے نام سے جو کتاب شائع ہوئی اس میں انوار رضوی صاحب نے اقسام نثر کے نام سے ایک مختصر باب لکھا ہے ۔ انہوں نے نثر کی محض یہ قسمیں کی ہیں جو ظاہرا بحر الفصاحت سے نقل کی گئی ہیں ۔

صوری : عاری ، مرجز ، مسجع ، مقفیٰ ۔

معنوی : دقیق رنگین ، دقیق سادہ ، سلیس رنگین ، سلیس سادہ ۔

جہاں تک نثر مرجز کا سوال ہے اسے غیر ضروری اہمیت دی گئی ہے ۔ اردو میں اس کے نمونے گویا ہیں ہی نہیں ۔ قواعد و بلاغت کی کتابوں میں وہی دو چار جملے دہرا دیے جاتے ہیں اور بس ۔ مسجع ، مرصع اور مقفیٰ میں ٹکنیک کا اختلاف ہے جس سے قدیم نثر کے اسلوب کا ایک جز متعین ہوتا ہے ۔ اگر یہ صوری اقسام اسالیب نثر کے مترادف ہوتیں تو بھی ان کی کوئی اہمیت ہوتی لیکن یہ صورت موجود نہیں ۔ قدیم ناکارہ ہیں ۔ اردو نثر کے مختلف اسالیب کے نمونے لکھے جائیں تو وہ ان صوری و معنوی اقسام کے مطابق نہ ہوں گے ۔ سادہ اور رنگین کسی حد تک سلجھی ہوئی اقسام ہیں گو مختلف تحریروں کو قطعیت کے ساتھ کسی ایک خانے میں نہیں رکھا جا سکتا ۔ بعض حصّے سادہ ہوتے ہیں بعض رنگین

سادہ اور رنگین کے علاوہ بقیہ سب اقسام بلاغت نگاروں کی موشگافیاں ہیں جنھیں نظر انداز کر دینا چاہیے کیونکہ دورِ حاضر میں ان کی کوئی اہمیت نہیں۔

نثر کی ادبی اصناف کا معاملہ اصنافِ شعر سے کہیں زیادہ الجھا ہوا ہے۔ بلاغت کی کتابوں میں نثری اصنافِ ادب کا بھولے سے بھی مذکور نہیں ملتا۔ ہمیں اردو کے قدیم ترین تا جدید ترین نثری ادب کو پیشِ نظر رکھ کر نثری اصناف دریافت و متعین کرنی ہوں گی۔

نظم وزن اور قافیے کی وجہ سے ایک متعین، کم و بیش ہیئت رکھتی ہے جس کی وجہ سے اس کی اصناف قائم کرنا چنداں مشکل نہیں۔ نثر میں یہ سہولت نہیں۔ اس کا دائرہ استعمال نہایت وسیع ہے۔ ہم نظم کو تین بنیادوں پر گروہ بند کرتے ہیں۔

۱۔ محض ہیئت کی بنا پر۔

۲۔ محض موضوع کی بنا پر

۳۔ ہیئت اور موضوع دونوں کو ملحوظ رکھ کر۔

کیا نثر کی اصناف بھی تینوں بنیادوں پر کھڑی کی جا سکتی ہیں۔ ہیئت کی بنا پر ہم عاری اور مقفیٰ، دقیق و سلیس، سادہ و رنگین وغیرہ تک پہنچ جائیں گے جو کسی طرح اصنافِ نثر نہیں۔ موضوع کی بنا پر حکایت، داستان، افسانہ، ناول، ڈراما، انشائیہ، سوانح وغیرہ تک تو کوئی دقت نہیں لیکن غیر ادبی موضوعات کا کیا کریں۔ آئیے اس سوال پر اور چند دوسرے پہلوؤں پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

۱۔ تاریخ، معاشیات، فلسفہ، جغرافیہ، طبیعیات، کیمیا، انجینئرنگ وغیرہ مقالوں اور کتابوں کے موضوعات ہیں اصناف نہیں۔ یہ نثر کی قسمیں ضرور ہیں نثری ادب کی اصناف نہیں۔ ان میں سے بعض موضوعات کبھی کبھی ادب کے دائرے میں آ جاتے ہیں۔ ایسے موضوعات ہیں۔

مذہب، معرفت، اخلاق، فلسفہ، عمرانیات، تاریخ وغیرہ۔

ان موضوعات کی ذیل کی تحریروں کو ادب میں شامل کر لیا جاتا ہے۔

ل : اردو ادب کے ابتدائی دور کی کتب مثلاً دکن کے صوفیوں کے رسالے۔ اس دور میں اردو ادب کی قدیم تاریخ میں اضافے کے لئے ہر قسم کی تحریروں کو ادب کا جزو مان لیا گیا۔

ب : بڑے ادیبوں کی ان موضوعات پر تحریریں کیونکہ ان کا اندازِ تحریر کچھ نہ کچھ ادبی ہوتا ہے مثلاً:

مذہب : نذیر احمد کی الحقوق والفرائض، سرسید کی تبیین الکلام، تفسیر القرآن۔ ابوالکلام آزاد کی ترجمان القرآن۔

کلام : شبلی کی الکلام اور علم الکلام

فلسفہ : عبدالماجد دریا بادی کی فلسفۂ اجتماع اور فلسفۂ جذبات۔ اقبال کی مابعد الطبیعیاتِ ایران۔

تاریخ : شیر علی افسوس کی آرائشِ محفل، سرسید کی سرکشیٔ بجنور، محمد حسین آزاد کی دربارِ اکبری اور قصصِ ہند حصہ دوم۔

عمرانیات : ڈاکٹر سید عابد حسین کی قومی تہذیب کا مسئلہ۔

فنِ تعمیر : سرسید کی آثار الصنادید۔

جغرافیہ : عبدالماجد دریابادی کی جغرافیۂ قرآن اور سلیمان ندوی کی ارض القرآن ۔

لیکن تحریروں میں اگر ادبیت کم ہو اور موضوع کو زیادہ ٹیکنیکل بنا کر پیش کیا جائے تو بڑے سے ادیب کی تصنیف یا تالیف کو بھی ادب میں شامل نہیں کیا جاتا مثلاً سرسید کی تسہیل فی جر الثقیل، اور قولِ متین در ابطالِ حرکتِ زمین ۔ نیز مولوی چراغ علی کے مذہبی رسالے اقبال کی علم الاقتصاد ۔

ج : بعض کم اہم ادیبوں کی تحریریں اگر ان کا موضوع زیادہ ٹیکنیکل نہیں اور اسلوب تحریر جاندار ہے مثلاً ڈاکٹر سالم قدوائی: علمِ حدیث اور چند اہم محدثین ۔ اندرجیت لال : زمین کی کہانی

د : بعض بڑے تصنیفی اداروں مثلاً ترقی اردو بورڈ، ساہتیہ اکادمی کی غیر ادبی موضوعات کی بعض کتابیں جو طبع زاد ہوں یا مترجم کثرتِ اشتہار کی وجہ سے ادب کے قارئین کے علم کا جزو بن گئی ہیں مثلاً ترقی اردو بورڈ کے ذیل کے تراجم :

کنور محمد اشرف : ہندوستانی معاشرہ عہدِ وسطیٰ میں ۔ ایم آر ساہنی : 'انسانی ارتقا' اور ذیل کی طبع زاد کتابیں

محمد ہاشم قدوائی : یورپ کے عظیم سیاسی مفکرین ۔ بھجیت سنگھ مطیر : فنِ طباعت ۔

۲۔ ہم یہ مان کر چلتے ہیں کہ ہر مقالہ یا کتاب نثر ہوگی یا نظم یا دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو تحریر نظم نہیں وہ نثر ہے ۔ اس لیے ہم ادبیات سے متعلق ایسی تحریروں کو بھی نثر کے ذیل میں لیں گے جن میں محض فہرستیں اور جدولیں ہیں جملے بالکل نہیں یا ایک آدھ جگہ ہیں ۔ ہاں نثری فقرے بکثرت ملتے ہیں مثلاً :

ا : لغات :۔ فرہنگِ آصفیہ جیسی لغات میں تو جملے کیا داستانیں تک ملتی ہیں لیکن مختصر لغات مثلاً عبداللہ خویشگی کی فرہنگ عامرہ یا اس سے ضخیم فیروزالدین کی فیروز اللغات میں لفظوں کے معنی میں عموماً جملے نہیں ملتے لیکن شاذ مل بھی جاتے ہیں ۔

ب ۔ فرہنگیں جو لغت ہی کی ایک قسم ہیں ۔ ان میں فرہنگِ اصطلاحات میں جملے بالکل نہیں ہوتے ۔ کہیں کہیں فقرے مل جاتے ہیں ۔ کسی ایک مصنف کی فرہنگ بھی تیار کی جا سکتی ہے مثلاً عرشی کی فرہنگِ غالب، اور نائب حسین نقوی کی فرہنگِ انیس ۔

ج ۔ مبسوط فہرستِ کتب ۔ عموماً مطبوعات کی فہرستیں مبسوط اور مفصل ہوتی ہیں ۔ بہترین مثال ادارۂ ادبیاتِ اردو کی مطبوعات، اردو فارسی و عربی کی فہرست ہے ۔ اس پوری کتاب میں کالم ہیں جن میں اندراج ہیں ۔ اس میں کہیں کوئی جملہ نظر نہ آیا لیکن اس قسم کے فقرے ضرور ملتے ہیں ۔

جنگ بلقان ہندوستان اور ہندوستان پر حملے (جلد دوم ص ۳۱)

یا ایسے عنوان : ' رسالے جن میں اکثر ہفتہ وار ایک جلد میں ہیں (ص ۰ ۱)

د۔ اشاریے اور کتابیات ۔ یہ کسی مصنف کے بھی ہو سکتے ہیں، صنف کے بھی ۔ مصنفین کے اشاریوں میں غالب اور اقبال کے اشاریے سرِ فہرست ہیں ۔ صنف کے اشاریوں میں ڈاکٹر عبدالعلیم نامی کی ببلوگرافیا اردو ڈراما دو جلد، سب سے اہم ہے اس میں ڈراموں کے نام میں تو جملے مل جاتے ہیں ورنہ پوری فہرست میں مشکل مکمل جملے ہیں ۔ ایک مثال :

" انصافِ محمود شاہ عزنوی مسنفۂ رونق بنارسی "

نسخہ نمبر ۴ مکمل معروف گجراتی گردبے وکٹوریہ ناٹک کے مالکوں نے گجراتی پرنٹنگ پریس بمبئی سے شائع کیا صفحہ ۶۶ قیمت ۵۰ پیسے (جلد دوم ص ۱۳۵)

ھ : وہ تذکرے بھی نثر کے ذیل میں آئیں گے جن میں نثری بیان ایک آدھ جملے یا فقرے تک محدود ہے اور نمونۂ کلام بہت زیادہ ہے مثلاً بینی نراین جہاںؔ کا دیوانِ جہاں، محسن کا سراپا سخن، نادر کا تذکرۂ نادر۔ یہ سب بیاضیں تھیں جن میں شاعر کا تعارف مختصر نثر میں ہوتا لیکن اسی کے سبب ان کتابوں کو نثر کی کتاب کہا جائے گا۔

۳۔ نظم میں ہم تحریری ادب کے علاوہ لوک گیتوں اور فلمی گانوں کو بھی شامل کر لیتے ہیں۔ کیا نثر میں بھی تحریر کے ساتھ ساتھ تقریر کو مدِ نظر رکھیں۔ کیا روزانہ بات چیت کو بھی نثر کی ایک صنف قرار دیا جائے؟ نہیں۔ تقریر میں ہم ذیل کے اجزا ہی کو نثری ادب میں شامل کریں گے۔

ا : عہدِ قدیم کے صوفیہ کے اردو ملفوظات۔ ان سے اردو نثر کے قدیم ترین نمونے بہم پہنچتے ہیں۔

ب : لوک کتھائیں (FOLK LORE) اردو میں لوک گیتوں کے مجموعے تو ملتے ہیں لوک کتھاؤں کو شاید ہی جمع کیا گیا ہو مغربی زبانوں میں ان کی بہت اہمیت ہے۔ ہندی میں بھی لوک کتھاؤں پر کافی کام ہوا ہے۔ اردو میں بچوں کے ادب میں لوک کہانیاں ملتی ہیں۔

ج : خطبات : صرف وہی خطبات ادب میں شامل کیے جائیں گے جن کا موضوع ادبی ہے ورنہ سیاسی قائدین دن رات سیاسی اور قومی موضوعات پر محوِ کلام رہتے ہیں۔ وہی خطبات خالص تقریر ہیں جنھیں پہلے لکھا نہیں گیا۔ برجستہ تقریر کی اور اسے بعد میں قلم بند کر لیا گیا۔ لکھے ہوئے خطبات کو پڑھا جائے تو وہ دراصل مقالے ہوتے ہیں جو قارئین کو پڑھوانے سے پہلے سامعین کو سنائے گئے اُردو میں خطبات کے بہت سے مجموعے ہیں ان میں نذیر احمد کا مجموعۂ لیکچرز و اسپیچز کافی قدیم ہے۔

د : ریڈیو تقریریں۔ یہ بھی پہلے لکھی جاتی ہیں بعد میں پڑھی جاتی ہیں یعنی یہ بھی دراصل مقالے ہیں لیکن ان کی زبان کسی حد تک بول چال کے نزدیک ہوتی ہے۔ ریڈیو تقریروں کے مجموعے بھی شائع ہوئے ہیں۔

ھ : انٹرویو یا بات چیت۔ یہ عموماً مکالمہ اور مباحثہ ہی ہوتا ہے۔ رسالوں کی بدولت یہ صنف ادھر کچھ برسوں سے رائج ہو گئی ہے بالخصوص پاکستان میں عموماً اس کا موضوع ادبی شخصیات یا ادبی اصناف پر تبصرہ ہوتا ہے۔

۴۔ اور اب ان اسالیب و موضوعات کو لیا جاتا ہے جو نثر کی صنف نہیں کہے جا سکتے۔ جس طرح شاعری میں آزاد نظم یا نظمِ معرا کو ایک صنف نہیں قرار دیا جاتا اس طرح نثر میں بھی کچھ ایسے اسالیب یا زاویۂ نظر ہیں جنھیں صنف نہیں کہنا چاہیے۔ ان میں مندرجہ ذیل ہیں :

ا ۔ تمثیل ۔ اس میں جانوروں، شاذ بے جان اشیا کو انسان بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں معنی کی دو سطحیں ہوتی ہیں تمثیل صنف نہیں ایک اسلوب ہے، یہ نظم و نثر کی مختلف اصناف میں ظاہر ہو سکتی ہے مثلاً حکایت، داستان، مختصر افسانہ، ناول، ڈراما، انشائیہ نظم وغیرہ تمثیلی ناول یا تمثیلی انشائیے کو ناول یا انشائیے کی ایک ذیلی قسم کہہ سکتے ہیں۔

ب ۔ طنز و مزاح ۔ یہ زندگی کی طرف ایک ذہنی رویے اور اندازِ نظر کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ مختلف اصناف میں شامل ہو سکتا ہے مختصر ترین

مزاح بطیفے اور نقل میں ملتا ہے۔ داستان، افسانہ، ناول، ڈراما، انشائیہ سبھی مزاحیہ ہو سکتے ہیں۔ تمثیل کی طرح طنزو مزاح آمیز تخلیقات کو اس مخصوص صنف کی ذیلی قسم قرار دیں گے مثلاً مزاحیہ ڈراما ڈرامے کی ایک قسم ہے لیکن تمام اصناف سے علیحدہ طنزو مزاح کی کوئی آزاد صنف نہیں۔

ج : تراجم۔ انھیں بھی الگ صنف نہیں قرار دیا جا سکتا۔ تقریباً تمام اصناف طبع زاد کے علاوہ دوسری زبانوں سے ترجمہ شدہ بھی ہو سکتی ہیں۔

د : بچوں کا ادب۔ یہ بھی الگ صنف نہیں بچوں کی نظمیں بچوں کی کہانیاں نظموں اور کہانیوں کی ذیلی اقسام ہیں۔

ھ : عورتوں کا ادب۔ عورتوں کے ادب سے مراد عورتوں کا تخلیق کیا ہوا ادب نہیں بلکہ وہ ادب ہے جو عورتوں کے لئے تخلیق کیا گیا ہو مثلاً حالی کی مجالس النسائ، شاد کی ولایتی کی آپ بیتی۔ عورتوں کے ادب کی کیفیت بھی بچوں کے ادب جیسی ہے۔ عورتوں کا ناول ناول کی ایک ذیلی قسم کہلائے گا۔

و : ادبی رسالے۔ انھیں بھی صنف نہیں کہا جا سکتا۔ یہ مجموعے ہیں جن میں نظم و نثر کی مختلف اصناف شائع ہوتی ہیں۔ نثر اور اس کی اصناف کی تعین کی بحث بہت لمبی ہو گئی۔ اب تمہید کو قطع کر کے اصناف کا شمار کیا جاتا ہے۔ مختصر ترین اصناف سے شروعات کی جائے گی

۱۔ کہاوت یا ضرب المثل

جس طرح شاعری کی مختصر ترین صنف فرد یا ایک مصرعی نظم ہے اسی طرح نثر میں کہاوت اپنے ایک دو جملوں کے کوزے میں معنی کا دریا لئے ہوتی ہے۔ ہر کہاوت کے پیچھے کسی اصلی یا فرضی واقعے کو پوشیدہ مانا جاتا ہے۔ بعض کہاوتیں دیکھنے میں منظوم معلوم ہوتی ہیں مثلاً:

جان بچی سو لاکھوں پائے   لوٹ کے بدھو گھر کو آئے

گدھا نہ کودا کودی گون   یہ تماشا دیکھے کون

آم کے آم گٹھلیوں کے دام

دراصل ان کہاوتوں میں شعری وزن نہیں، ایک عوامی آہنگ ہے۔ انھیں یاد کرنے کی سہولت کی وجہ سے مترنم الفاظ میں ڈھال دیا گیا ہے۔ ترنم آفرینی کی خاطر ہی ان میں قافیہ سما دیا ہے۔ دراصل یہ کہاوتیں بھی نثر ہیں نظم نہیں۔ بہر حال ان سے ہٹ کر خالص نثری کہاوتیں بھی بڑی تعداد میں ملتی ہیں گو ان میں آہنگ کا شائبہ کیوں نہ ہو مثلاً :

تمھیں آم کھانے سے مطلب ہے یا پیڑ گننے سے ؟

اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑتا۔

بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔

بھوک میں کواڑ بھی پاپڑ دکھائی دیتا ہے۔

۲ - پہیلی: یہ اکثر نظم میں ہوتی ہے لیکن نثری پہیلیاں بھی ملتی ہیں مثلاً :

پوچھنے والا : وہ کون سی چیز ہوتی ہے جسے سب کھاتے ہیں لیکن اس کا سر کاٹ کر کھایا جائے تو زہر ہو جائے۔

مجیب : قسم۔

پوچھنے والا: وہ کون سی چڑیا ہے جس کے سر پہ پیر ہوتے ہیں۔

مجیب: مجھے معلوم نہیں۔

پوچھنے والا: ہر چڑیا کے سر اور پر (پنکھ) اور پیر ہوتے ہیں۔

ان میں صرف پہلا جملہ پہیلی ہے، دوسرا اس کا حل ہے۔

دوسخنے یا نسبتیں:

یہ محض امیر خسرو کے سلسلے میں ملتے ہیں۔ ان کی زبان اتنی صاف ہوتی ہے کہ خسرو کے عہد میں ان کا سوال ہی نہیں۔ اگر خسرو نے انھیں وضع کیا ہوگا تو ان کی زبان فرسودہ رہی ہوگی جو زبانوں پر چڑھ کر آج کی ہو گئی ہے۔ یہ کسی کے بھی اقوال ہوں۔ ہیں ایک ممیز رنگ کے۔ یہ بھی ایک قسم کی پہیلی یا چیستان ہیں۔ اگرچہ ان میں قافیہ پایا جاتا ہے لیکن وزن نہیں ہوتا۔ انھیں مسجع نثر کہا جائے گا۔ مثال:

جوتا کیوں نہ پہنا، سنبوسہ کیوں نہ کھایا؟ — تلا نہ تھا

مسافر پیاسا کیوں، گدھا اُداس کیوں؟ — لوٹا نہ تھا

دولسانی دوسخنے: آزاد نے ریختے کی ایک قسم دوسخنے[1] فارسی اردو لکھی ہے۔ یہ ایک طرح سے نثری ریختے ہوئے:

سوداگر را چہ می باید، بوچے کو کیا چاہیے؟ — دوکان

شکار بہ چہ می باید کرد، قوتِ مغز کو کیا چاہیے؟ — بادام

دراصل دوسخنے اتنی کم تعداد میں ملتے ہیں کہ انھیں صنف کا درجہ دینا تکلف معلوم ہوتا ہے۔ فرہنگِ آصفیہ[2] میں انھیں نسبتیں کہا ہے اور ان کے کل ملا کر ۱۰ نمونے دیے ہیں۔

ڈھکوسلا: آزاد نے خسرو کی ایجادات سے ایک صنف ڈھکوسلا لکھا ہے جس کی صرف ایک مثال دی ہے۔

"بھادوں پکی پیپلی، چو چو پڑی کپاس۔ بی مہترانی دال پکاؤ گی یا ننگا ہی سو رہوں؟"

معلوم نہیں یہ ایک ڈھکوسلا ہے یا دو؟ میں اس کے معنی نہیں سمجھ سکتا اور اسے صنف کا درجہ نہیں دے سکتا۔ مہترانی کے معنی بھنگن کے علاوہ [illegible] کے بھی ہیں اور مندرجہ بالا ڈھکوسلے میں یہی معنی ہونے چاہئیں۔ پیپلی پیپل کا پھل ہوتا ہے۔

ملفوظات:

عہدِ قدیم میں صوفیانِ کرام کے ایک یا دو جملوں کے متعدد اقوال ملتے ہیں۔ انھیں ملفوظات کہا جاتا ہے۔ ملفوظات کے متعدد مجموعے ملتے ہیں۔ ان میں فارسی زبان میں بیان کردہ واقعے میں مرشد کی زبان سے ایک دو جملے نکلتے ہیں۔ اگر یہ جملے اردو میں ہیں تو یہ ہمارے کام کے ہیں اور ہم انھیں اردو ملفوظہ کہیں گے۔ ملفوظات کو ایک ادبی صنف کہنے کا کوئی جواز تو نہیں لیکن چونکہ یہ کافی تعداد میں ہیں (سو سے اوپر ہی ہوں گے) اور قدیم نثر سے مخصوص ہیں

---

[1] آبِ حیات ص ۸۴۔ بار دوازدہم شیخ مبارک علی لاہور

[2] فرہنگِ آصفیہ جلد اول ص ۹۳۔ ترقی اردو بورڈ عکسی ایڈیشن ۱۹۷۴ء دلی

اس لیے ان کے زمرے کو ایک قدیم نثری صنف کا مرتبہ دیا جا سکتا ہے۔ ملفوظے اس قسم کے ہیں۔

شیخ فرید شکر گنج : پونوں کا چاند بھی بالا ہے۔

حضرت قطبِ عالم : لوہا ہے لکڑی ہے کہ پتھر ہے۔

تاریخِ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند میں ڈاکٹر الف، د، نسیم نے ملفوظہ کے ساتھ قول کو ایک علیحدہ صنف کے طور پر لیا ہے۔ وہ دونوں میں یوں فرق کرتے ہیں۔

"قول ملفوظہ سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ اس میں کوئی نہ کوئی بنیادی اصولی بات ہوتی ہے۔ ایسی بات جو پند و نصیحت اور راہبری اور راہنمائی کے طور پر ہر دور اور ہر شخص کے لیے مشعلِ راہ بن سکتی ہے ..... مثال کے طور پر شیخ محمد غوث گوالیاری کا یہ کہنا کہ 'جیگی بچہ خدا کر نہ میلے' ایک جملہ پر مشتمل ایک قول ہے جو زمان و مکان سے آزاد اپنے اندر بنیادی صداقت رکھتا ہے لیکن شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی کی یہ بات کہ 'میں کہاں یا کدھار یا صفت کیتی'، ایک ملفوظہ یا محض ایک ہندوی فقرہ ہے۔ اس کی کوئی آفاقی اہمیت نہیں۔"[1]

نثری اقوال کی دو یہ مزید مثالیں دیتے ہیں۔

'عارف اسے کہیں جو خدا سوں بھریا ہووے۔' (شیخ وجیہ الدین گجراتی)

'دبھا کری پکانا مشکل ہے۔' (شاہ مجذوب برہان پوری)

ملفوظے کو ایک صنف کہنا ہی محلِ نظر ہے۔ اس سے مماثل ایک اور صنف 'قول' کا اضافہ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ملفوظے کی دو ذیلی اقسام کر لی جائیں ایک وہ جن میں معمولی روز کی بات چیت ہوتی ہے دوسرے وہ ملفوظے جن میں زیادہ بامعنی اور اہم تر مفہوم ہوتا ہے۔

اب ہم قدیم فکشن کی طرف چلتے ہیں۔ اس کی مختصر صورتیں نقل، حکایت اور کہانی ہیں لیکن ایک اور اصطلاح لطیفہ کا بھی ان سے خلط ہو جاتا ہے۔

لطیفہ: ہندی میں اسے چٹکلا کہتے ہیں۔ آج ہمارے سامنے لطیفے کے جو معنی ہیں ان میں یہ کسی مزاحیہ واقعے یا مکالمے پر مشتمل ہوتا ہے جس کے آخری حصے میں ذکاوتِ طبع نغز گوئی یا حاضر جوابی کا ایسا مظاہرہ ہوتا ہے کہ سننے والے کو ہنسی یا کم از کم تبسم ضرور آ جاتا ہے۔ ایک مثال ملاحظہ ہو۔

لکھنؤ میں ایک بیگم امید سے ہو گئیں۔ مدتِ معینہ کے بعد بھی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ ایک سال گذر گیا، دو چار سال بیت گئے۔ چونکہ کسی قسم کا درد نہ تھا اس لئے برداشت کر لیا گیا کوئی گہری تشویش نہ ہوئی۔ پانچ سات، دس بارہ، آخر کش پندرہ سولہ سال ہو گئے۔ تب کرید ہوئی جاننے کی کہ آخر پیٹ میں کون سی بلا سمائی ہے۔ اسپتال میں آپریشن کے ذریعے پیٹ چاک کیا گیا۔ دیکھتے کیا ہیں کہ اندر دو داڑھی مونچھ والے بیٹھے ہیں اور ہاتھ آگے بڑھا بڑھا کر کہہ رہے ہیں، 'پہلے آپ'، 'حضت پہلے آپ'۔

آپ مسکرائے؟ میری محنت وصول ہو گئی۔ لیکن انیسویں صدی کی ابتدا میں لطیفے کے یہ متعین معنی نہ تھے بعض اوقات غیر مزاحیہ

---

[1] جلد ششم صہ ۱۱۹ - لاہور ۱۹۷۱ء

چھوٹی حکایتوں کو بھی لطیفہ کہہ دیا جانا عام تھا۔ قدیم ادب میں ان اصطلاحوں لطیفہ، نقل اور حکایت میں خلط مبحث عام تھا۔ مثلاً ڈاکٹر عابدہ بیگم لطائف کی کتاب 'لطائفِ ہندی کے عنوان کے تحت لکھتی ہیں :

"لطائفِ ہندی میں ایک سو مختصر حکایتیں درج ہیں[1]"

"لطائفِ ہندی کو نقلیات بھی کہا گیا ہے[2]۔"

گویا لطیفے، حکایتیں اور نقلیں متبادل الفاظ ہو گئے۔ ڈاکٹر حنیف احمد نقوی بینی نرائن جہاں کی کتاب 'تفریح طبع' کے لیے لکھتے ہیں۔

"ان اشعار کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے جو مختلف چھوٹے بڑے لطائف اور نقلوں پر مشتمل ہے[3]۔"

انہوں نے جو نمونے دیے ہیں انہیں مزاحیہ حکایت بھی کہہ سکتے ہیں۔ طویل لطیفہ بھی اور ڈھیلی ڈھیلی اصطلاح نقل بھی۔ ذرا غور کریں کہ نقل کوئی آزاد حیثیت رکھتی ہے کہ نہیں ؟

نقل :۔ فرہنگِ آصفیہ میں نقل کے تحت، منجملہ دوسرے معانی کے، یہ معنی بھی دیے ہیں:۔

"حاضر جوابی۔ لطیفہ۔ چٹکلا۔ ہنسی کی حکایت۔ ظرافت کا ذکر۔ روایت۔ کہانی، حکایت۔ بیان۔ روپ۔ سوانگ، لیلا، ناٹک جلد چہارم ص ۵۰۰۔

اسی لغت میں، نقل کرنا کے معنی ہیں "سوانگ کرنا، روپ بھرنا۔ نقالوں کا مضحکہ آمیز حکایت بیان کرنا، بھی درج ہیں مسعود حسن رضوی لکھتے ہیں :

"بھانڈوں کی نقلیں چھوٹے چھوٹے ہنسانے والے ڈرامے ہوتے ہیں جن کو انگریزی میں فارسی اور ہندی میں گویا نقل کا مزاحیہ، بذلہ آمیز اور پُر لطف ہونا ضروری ہے[4]۔ اب نقلیات پر مشتمل چند کتابوں پر نظر کریں: فورٹ ولیم کالج میں گلکرسٹ اور میر بہادر علی حسینی کی مرتبہ نقلیاتِ ہندی دو جلدوں میں شائع ہوئی۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی نے اورینٹل کالج میگزین لاہور بابت فروری مئی ۱۹۷۵ء میں پوری دونوں جلدیں چھاپ دی ہیں۔ جلد کے بائیں طرف کے یعنی انگریزی کی جانب کے سرورق پر اس کا یہ نام درج ہے :

THE HINDEE STOLY TELLER

OF

ENTERTAINING EXPOSITOR

اردو میں اس کا نام نقلیاتِ ہندی ہے۔ انگریزی کے پہلے نام سے ظاہر ہے کہ نقل کو کہانی کے مترادف مان لیا گیا ہے۔ دوسرے عنوان کے معنی ہیں، جی بہلانے والا ترجمان، گویا اسے ظریفانہ اور تفنن بخش کہا گیا ہے۔ کتاب کی پہلی جلد میں مختصر واقعات یا بیانات

---

[1] ڈاکٹر عبیدہ بیگم : فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات۔ ص ۱۴۱۔ لکھنؤ ۱۹۸۳ء۔ [2] ایضاً ص ۱۵۱۔

[3] حنیف احمد نقوی : رائے بینی نرائن دہلوی۔ (۲) نوائے ادب بابت اکتوبر ۱۹۷۷ء ص ۹۔

[4] لکھنؤ کا شاہی اسٹیج ص ۴۴۔ کتاب نگر لکھنؤ۔ بار دوم ۱۹۶۸ء۔

ہیں جن میں سے بیشتر کا انجام ایک کہاوت پر ہوتا ہے مثلاً:

۱- ایک عورت بے وقوف اپنے پھوہڑپنے سے چلتے ہوئے گر گر پڑتی اور اپنی نزاکت پر بہانہ دھرتی۔ کسو نے دریافت کیا کہ یہ آپ گرتی ہے اور نزاکت کو بدنام کرتی ہے۔
ہنس کر کہنے لگا: "سچ ہے ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا۔" ص ۴

۲- ایک بادشاہ نے اپنے ندیم سے پوچھا کہ سب سے بہتر میرے حق میں کیا ہے۔ عرض کی کہ عدل کرنا اور رعیت کا پالنا جو؟

۳- بادشاہ اور امیروں کی اچھی خصلتوں سے بخشش اور شجاعت و عدل ہے اور بری خوؤں سے خباثت و جور و کنجوسی ہے۔ ص ۶۰۔

۴- دو کاریگر کسی ملک میں جا کر ایک بادشاہ کے نوکر ہوئے۔ ایک نے اپنا یہ ہنر دکھایا جو کاغذ کی مچھلی بنا کر پانی میں ترائی اور دوسرے نے فولاد کی شکل بے ہوا کھ (کذا) پہ اڑائی۔ بادشاہ ان کے کسب سے خوش ہوا اور ہر اک کو انعام دے کر رخصت کیا۔

ان میں سے صرف پہلی اور چوتھی میں افسانویت ہے دوسری اور تیسری میں نہیں۔ صرف پہلی میں ظرافت ہے بقیہ تین میں نہیں۔ دوسری اور تیسری نقلیں گلستانِ سعدی کے انداز کے اخلاقی درس ہیں۔ تیزی و رسائی کے فقدان کے سبب آخری تین کو نقل نہیں کہنا چاہیے۔
نقلیاتِ ہندی کے دوسرے حصے میں نسبتاً طویل، دلچسپ حکایتیں یا لطیفے ہیں فورٹ ولیم کالج کی دوسری کتاب نقلیاتِ لقمانی کا انگریزی نام ORIENTAL FABULIST ہے یعنی نقل اور حکایت FABLE، کو ہم معنی گردانا گیا ہے۔ اس کتاب میں بڑی تعداد میں ایسپ کی حکایتیں ہیں۔

حکیم محمد بخش مہجور کی مقبول کتاب نورتن کے آخری چار بابوں میں عاقلوں کی نقلیں، احمقوں کی نقلیں، افیونیوں کی نقلیں، بخیلوں اور کنجوسوں کی نقلیں ہیں۔ یہ سب طویل دلچسپ مزاحیہ کہانیاں ہیں۔
باغ و بہار کے پہلے درویش کی سیر میں شہزادیِ دمشق شربتِ ورق الخیال کی صراحی لانے والے لڑکے کے لیے کہتی ہے۔
"وہ بھی جب ڈھیٹھ ہوا تب اچھی اچھی میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگا اور اچنبھے کی نقلیں لانے بلکہ آہ رو بھی بھرنے اور سسکیاں لینے (لگا)"[1]

نقل کی اصطلاح کے ان مفاہیم اور استعمالوں کو دیکھ کر ہم یہ طے کر سکتے ہیں کہ نقل ایک دلچسپ حکایت ہوتی ہے جو بیشتر ظرافت آمیز بھی ہوتی ہے۔ اس میں جودتِ طبع و نغز گوئی لازمی ہے۔
لطیفہ، ظریفانہ بھی ہوتا ہے اور اس میں بھی تیزیِ طبع کا مظاہرہ ہوتا ہے لیکن اس میں افسانہ پن کم سے کم ہوتا ہے جب کہ نقل میں اس کا ہونا ضروری ہے ورنہ یہ لطیفہ ہو کر رہ جائے گا۔

حکایت: حکایت اور قصہ دونوں عربی الفاظ ہیں، افسانہ اور داستان فارسی، کہانی ہندی۔ داستان میں منجملہ دوسری خصوصیات کے طوالانی ہونے کا شعور بھی پوشیدہ ہے۔ کہانی 'کہنا' سے بنی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ سنائی جانے کے لئے

[1] باغ و بہار ص ۵۴ - جامعہ بک ڈپو۔ دلی۔ اکتوبر ۱۹۷۰ء - بارِ سوم

ہوتی ہے۔ زبانوں کے اختلاف سے قطع نظر قدیم فکشن میں حکایت اور داستان دو نمایاں ممیز اصناف ہیں۔ راقم السطور نے ان کے امتیازی خصائص پر اپنی کتاب "اُردو کی نثری داستانیں"[1] میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ یہاں مختصراً عرض کرتا ہوں۔

ڈاکٹر جانسن نے LIFE OF GOHR GAY کے دیباچے میں فیبل کی یہ تعریف کی ہے۔

"یہ ایک بیانیہ ہے جس میں حیوان یا بے جان اشیا تلقین کے لیے آدمی کی طرح بولتے چالتے ہیں اور انسانوں جیسے کام کاج کرتے ہیں۔"

اس تعریف میں حکایت کی اہم ترین خصوصیت اخلاقی تلقین نیز حکایت کے کرداروں کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے لیکن ان خصائص کا ہونا حکایت کا لازمی وصف نہیں۔ ایسی حکایات بھی ہوتی ہیں جن کے کردار حیوان یا بے جان اشیا نہیں بلکہ انسان ہیں مثلاً ایک بوڑھے نے اپنے بیٹوں کو بلا کر تیلیوں کا ایک گٹھا توڑنے کو کہا۔ وہ نہیں توڑ پائے۔ اس کے بعد گٹھے کو کھول کر ایک ایک تیلی توڑنے کو دی تو انہوں نے توڑ دیں۔ اس طرح اتفاق اور میل ملاپ سے رہنے کی برکت واضح ہوگئی۔

یہ بھی ضروری نہیں کہ حکایت میں ہمیشہ اخلاقی تلقین ہی ہو۔ نورتن کے تیسرے باب کی ایک کہانی میں قاضی چور کو پکڑنا چاہتا ہے۔ وہ صاحب خانہ اور اس کے ملازمین کو برابر لمبائی کی ایک ایک چھڑی دیتا ہے اور کہتا ہے کہ چور کی چھڑی ایک انگل بڑھ جائے گی۔ چور ملازم نے اس کے تدارک کے لیے اپنی چھڑی بقدر ایک انگل کے کاٹ دی۔ اگلے دن جب سب کی چھڑیوں کی جانچ کی گئی تو چور پکڑا گیا۔

اس حکایت میں اخلاقی تلقین نہیں فہم و فراست کا مظاہرہ ہے۔ گویا حکایت میں ایک ارفع مقصد ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ گلستانِ سعدی میں جو ایسی نام نہاد حکایتیں ہیں جن میں قصہ پن نہیں محض اخلاق ہی اخلاق ہے انھیں ہم حکایت نہیں کہہ سکتے مثلاً گلستان کے اردو ترجمے باغ اردو سے ملاحظہ ہو:

"ایک بزرگ نے کسی پرہیزگار سے پوچھا کہ فلانے عابد کے حق میں آپ کیا کہتے ہیں کہ اکثر اشخاص اس کے حق میں طعنہ آمیز باتیں کہتے ہیں۔ کہا اس نے کہ بظاہر اس میں کچھ عیب نہیں دیکھتا اور باطن سے اللہ آگاہ ہے۔"

خواہ شیخ سعدی نے اسے حکایت کہا ہو یا گلستان کے کسی ناشر نے لیکن ہم حکایت کی تعین کے پیش نظر اسے حکایت نہیں کہہ سکتے۔

اب لطیفہ، نقل اور حکایت میں تمیز کی جا سکتی ہے۔ لطیفہ فکشن کی شاخ نہیں۔ اس کا مزاحیہ ہونا ضروری ہے۔ حکایت چھوٹی کہانی ہے جس میں اخلاقی تلقین یا فراست کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس نقل میں ایک طرف کہانی پن ہوتا ہے تو دوسری طرف اس میں ذکاوت و جودت طبع کا ہونا لازمی ہے کبھی نقل لطیفے سے اور کبھی حکایت سے مشابہ ہو جاتی ہے لیکن ہمیں مصنف کے دیے ہوئے عنوان کو نظر انداز کر کے خود طے کرنا چاہیے کہ کسی مخصوص تخلیق پر لطیفے کا اطلاق کیا جائے کہ نقل کا یا حکایت کا ابھی

---

[1] اردو کی نثری داستانیں دوسرا باب۔ طبع دوم۔ کراچی ۱۹۶۵ء

ایک مشابہ صنف مختصر داستان یا رومانی کہانی بھی - اس پہ داستان کے بعد غور کیا جائے گا۔

داستان : یہ ایک طویل قصہ ہوتا ہے جس میں اکثر فوق الفطرت عناصر سے کام لیا جاتا ہے۔ شاذ ایسا نہیں ہوتا تب بھی داستان میں ایک خیالی دنیا ہوتی ہے۔ اس پر تخئیلیت کا قرمزی بادل چھایا رہتا ہے۔ اس کے واقعات حقیقی سے زیادہ خیالی ہوتے ہیں۔ گو بظاہر اس کا کوئی اعلیٰ مقصد مثلاً خیر و شر کا جہاد ہو لیکن دراصل یہ افسانوی دلچسپی کے لیے لکھی جاتی ہے جس کو پڑھ کر حظ اٹھانا مقصود ہوتا ہے۔

رومانی کہانی یا داستانی کہانی :

بعض پرانی مختصر کہانیاں بھی داستانی رنگ و آہنگ اور فضا لیے ہوتی ہیں ان میں فوق فطری عناصر ہوتے ہیں۔ انگریزی میں حکایت کو FABLE اور ان کہانیوں کو FAIRY TALES کہتے ہیں مثلاً سنگھاسن بتیسی، بیتال پچیسی کی جملہ کہانیاں، توتا کہانی کی میں فوق فطری عناصر ہیں۔ الف لیلہ کی سونے جاگتے کی کہانی میں کوئی فوق فطری عنصر نہیں لیکن ایسے واقعہ کے ہونے کا امکان کم ہے۔ توتا کہانی کی بیسویں کہانی ملاحظہ ہو۔

کسی شہر میں ایک شخص بشیر کا کسی دوسرے کی بیوی چندو سے معاشقہ تھا۔ چندو کے شوہر کو اس کا علم ہوا تو وہ بیوی کو اس کے میکے میں لے گیا۔ بشیر بھی ایک اعرابی کے ساتھ اس شہر میں پہنچا اور اعرابی کی معرفت طے کیا کہ رات کو فلاں مقام پہ ملاقات ہوگی چندو وہاں پہنچی اور اعرابی سے کہا کہ تو میرے کپڑے پہن کر میرے گھر جا اور گھونگھٹ سے منہ چھپا کر اگنائی میں بیٹھ جانا۔ شوہر دودھ کا پیالہ پینے کو دے گا تو کچھ نہ بولنا۔ تھک ہار کر وہ باہر چلا جائے گا۔ اعرابی نے ایسا ہی کیا لیکن اس کے چپ رہنے پر شوہر نے دل کھول کر اس پہ کوڑے برسائے اور آخر باہر چلا گیا۔ چندو کی بہن اسے سمجھانے آئی تو اعرابی نے بہن کو سب کچھ بتا دیا اور کہا کہ تو میرے ساتھ سو جا۔ راز منکشف نہ کرنا ورنہ تیری بہن کی رسوائی ہوگی۔ بہن ہنس کر راضی ہوگئی اور اعرابی نے مار کھانے کے بعد زندگی کا حظ اٹھایا۔

یہ کسی طرح حکایت نہیں ایک مختصر داستان یا رومانی کہانی ہے حالانکہ داستان کے برعکس اس کے کردار شاہزادہ، سوداگر بچہ، پری یا طبقۂ بالا کے نہیں۔ ظاہر ہے کہ کہانی کا ماحول غیر حقیقی اور رومانی ہے۔ اس طرح حکایت اور داستان کے ساتھ رومانی کہانی کو ایک علیحدہ صنف کہا جائے گا۔ واضح ہو کہ لوک کتھائیں رومانی کہانی کے ذیل میں آتی ہیں۔ اس طرح رومانی کہانی کا وجود پہلے ہوا داستان کا بعد میں۔ نئے فکشن سے پہلے کے قصوں کو ہم ذیل کے شجرے میں ظاہر کر سکتے ہیں :
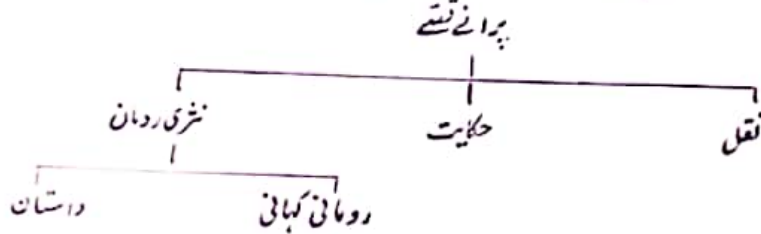
اب نئے فکشن کو لیجیے۔ اس کی اصناف اور قدیم فکشن کی متوازی اصناف میں دو فرق نمایاں ہیں اول موضوع یعنی زندگی کے بارے میں نقطۂ نظر دوسرے فکشن یعنی لفظیات، استعارات، علامات وغیرہ۔ دونوں ادوار کے فکشن کے اس تفاوت کی وجہ سے قدیم کہانی اور جدید مختصر افسانہ الگ الگ اصناف ہیں اور داستان اور ناول ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ذیل میں فکشن کی نئی

اصناف پر نظر ڈالی جاتی ہے۔

مختصر افسانہ : یہ ایک معروف صنف ہے جس کی تکنیک یا مختلف اقسام کی تفصیل پیش کرنے کی ضرورت نہیں - اس میں اکثر ایک واقعہ (EPISODE) کا بیان ہوتا ہے جب کہ ناول میں کوئی تحدید نہیں۔ بہت سے افسانوں میں ماجرا ہی نہیں ہوتا۔ اور ادھر تیس پینتیس سال سے تجریدی افسانے چل پڑے ہیں جن میں کردار اور پلاٹ کیا سرے سے افسانہ پن ہی نہیں ہوتا

طویل مختصر افسانہ : یہ مختصر افسانے ہی کی ایک قسم ہے - اس کی درازی کی وجہ سے اسے طویل مختصر افسانہ کہا جاتا ہے لیکن تکنیک کے لحاظ سے اس میں اور مختصر افسانے میں کوئی فرق نہیں - نیاز فتحپوری کا شہاب کی سرگزشت اور قرۃ العین حیدر کا ہاؤسنگ سوسائٹی طویل مختصر افسانے ہیں۔

افسانچہ یا منی افسانہ : یہ دو چار آٹھ دس سطروں کا افسانہ ہوتا ہے۔ اس کی تکنیک مختصر افسانے سے الگ ہوتی ہے اس لیے اسے ایک علیحدہ صنف کہا جائے گا۔ یہ کوزے میں سمندر بھرنے کے مترادف ہے - اس کی معنوی اور اشاراتی بلاغت اپنے اندر ایک جہانِ معنی پوشیدہ رکھتی ہے - جوگندر پال نے کثرت سے افسانچے لکھے - ان کا حسبِ ذیل افسانچہ ملاحظہ ہو:

ماضی

"پورے تیس برس بعد میں اپنے گاؤں جا رہا ہوں اور ریل گاڑی کے ادھم پہ کان دھرے اُن دنوں کا خواب دیکھ رہا ہوں جو میں نے بچپن میں اپنے گاؤں میں بتائے تھے۔ رات گہری ہو رہی ہے اور خواب گھنا۔ . . میں گھنٹوں کی نیند کے بعد ہڑبڑا کر جاگ پڑا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ دن چڑھ آیا ہے ۔ میرے گاؤں کے اسٹیشن کو رات ہی رات میں آنا تھا ۔ میرے سوتے سوتے آیا اور آکر چلا بھی گیا ۔ میں اپنا گاؤں بہت پیچھے چھوڑ آیا ہوں ۔!"[1]

اپنے اختصار کے باوجود معنوی حیثیت سے یہ ایک مکمل افسانہ ہے - اس رمزیے کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے ۔

ناول : معروف عام صنف ہے جس کی تعریف یا اقسام قلم بند کرنے کی ضرورت نہیں۔ انگریزی میں تمثیلی ناول پلگرمس پروگرس بالکل ابتدائی ناولوں میں ہے۔ اردو میں جن تمثیلی قصّوں کو ابتدائی ناول کی مثال قرار دیا گیا ہے ان کا ناول ہونا اسی طرح محلِ نظر ہے جس طرح نیرنگِ خیال کے تمثیلی مضامین کا مختصر افسانہ ہونا ۔

افسانوں کی طرح تجریدی ناول بھی لکھے گئے۔ جیمس جوائس کا انگریزی ناول یولیسس سب سے مشہور تجریدی ناول ہے۔ اسے اینٹی ناول بھی کہہ سکتے ہیں لیکن بعد میں اسے ایک عظیم ناول مانا گیا۔ اردو میں انور سجاد کا خوشیوں کے باغ اور فہیم اعظمی کا جنم کنڈلی تجریدی ناول ہیں ۔

ناول کی ایک قسم سوانحی ناول ہے مثلاً قرۃ العین حیدر کا 'کارِ جہاں دراز ہے'، عصمت چغتائی کا 'ٹیڑھی لکیر'، 'کاغذی ہے پیرہن'

---

[1] کوہسار بابت مارچ اپریل ۱۹۷۷ء ص ۸۰ ۔ ہزاری باغ ۔

اپندر ناتھ اشک کا "گرتی دیواریں" گو ان کی سوانح پر مبنی ہے لیکن اس معنی میں سوانحی ناول نہیں جس میں قرۃ العین یا عصمت کے ناول ہیں۔ موضوع اور فن کے لحاظ سے ناول کی متعدد قسمیں ہیں جن کا ذکر یہاں قطع کیا جاتا ہے بجز جاسوسی ناول کے جو ناول کی ایک مقبول عام ذیلی صنف ہے۔

ناولٹ : یہ ناول ہی کی ایک قسم ہے جو طویل مختصر افسانے سے بڑی اور ناول سے چھوٹی ہوتی ہے لیکن تکنیک کے لحاظ سے یہ ناول ہے افسانہ نہیں۔ سجاد ظہیر کی 'لندن کی ایک رات' اس کی اچھی مثال ہے۔ رسالہ شاعر نے ۱۹۷۱ء شمارہ ۲-۳ میں ۴۴۳ صفحات پر مشتمل ناولٹ نمبر نکالا۔ اس سے پہلے بھی بعض رسالوں کے ناولٹ نمبر نکل چکے ہیں۔

ڈراما : ڈراما نظم میں بھی ہوتا ہے نثر میں بھی اور نثر و نظم سے مخلوط بھی۔ مخلوط ڈرامے کو نثری ڈرامے کے تحت ہی رکھیں گے کیونکہ نثر کے بیچ اشعار اور نظمیں لانے کی اجازت ہے۔ فی الوقت ہمیں محض نثری ڈراموں سے سروکار ہے۔

ڈرامے کا ارتقا طویل سے مختصر کی طرف کو ہوا ہے۔ پانچ ایکٹ سے کم ہو کر تین دو اور آخر میں ایک ایکٹ کے ڈرامے لکھے جانے لگے۔ اردو میں یک بابی ڈرامے کی ابتدا ۱۹۲۵ء اور ۱۹۳۰ء کے درمیان ہوئی۔ مختصر افسانے نے اس کی تخلیق کو اکسایا۔ رسالوں اور ریڈیو نے بھی طویل ڈراموں پر مختصر ڈراموں کو ترجیح دی۔

ڈرامے کی بھی بہت سی قسمیں ہیں جن کی تفصیل نہیں دی جا رہی۔ دوسری اینٹی اصناف کی طرح (اینٹی افسانہ، اینٹی ناول، اینٹی غزل) اینٹی تھیٹر بھی وجود میں آیا۔ اسے ایبسرڈ تھیٹر یا لایعنی ڈراما کہا گیا ہے حالانکہ دراصل یہ اتنا لغو و لایعنی نہیں ہوتا بہرحال لغویت کا تعلق موضوع سے ہے ہیئت سے نہیں۔

یک بابی ڈرامے کی ایک اہم قسم ریڈیو ڈراما ہے۔ چونکہ ہمارا موضوع اصناف ادب ہے اس لیے ہمیں ریڈیو ڈرامے کی محض تحریری شکل سے سروکار ہے۔ ڈاکٹر اخلاق اثر نے اپنی کتاب ریڈیو ڈرامے کی اصناف میں متعدد ذیلی اصناف کا ذکر کیا ہے مثلاً ریڈیو روپ، ریڈیو ڈراما روپ، ریڈیو فیچر، ریڈیو ڈاکومینٹری، ریڈیو نیوز ریل، ڈرامائی مونولاگ، نغمانیہ، مزاحیہ (کامک)، وغیرہ

ریڈیو روپ (ADAPTATION) میں کسی تحریری ڈرامے کو صوتی تبدیلیوں کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ ریڈیو ڈراما روپ، میں دوسرے میڈیموں مثلاً فلم، سٹیج، ناول، داستان وغیرہ کی کہانیوں کو ریڈیو ڈرامے کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ مانا کہ ریڈیو ڈرامے کی مختصر اصناف پہلے صفحہ قرطاس پر تحریر میں آتی ہیں لیکن شائع نہایت شاذ ہوتے ہیں اس لئے ہمیں ریڈیو ڈرامے کی ذیلی اصناف کی گرفت کرنے کی ضرورت نہیں۔

تخلیقی ادب کے تین بڑے زمرے کیے جاتے ہیں : شاعری، فکشن اور انشائیہ۔ انھیں کی بنا پر P.E.N نام کی انجمن مصنفین بنی ہے جس کے حروف کو ملا لیا جائے تو قلم کے معنی نکلتے ہیں۔ علیحدہ علیحدہ اس کے حروف POETS، ESSAYISTS، NOVELISTS کے مخفف ہیں۔ زیر نظر مضمون کے دائرے سے شاعری خارج ہے فکشن کے بڑے گروپ کے بارے میں لکھا جا چکا۔ اب تیسرے گروپ انشائیے کو لیجیے۔

انشائیہ اور مقالہ : اردو میں یہ صنف انگریزی سے آئی ہے۔ انگریزی اور اردو دونوں میں اس کا فروغ اخبار دل کے

رسالوں کا مرہونِ منت ہے۔ اردو میں انیسویں صدی کے وسط میں اس کے لیے "جواب مضمون" کی عجیب اصطلاح استعمال ہوئی نیرنگ خیال میں محمد حسین آزاد انگریزی انشاپردازی کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔

بڑی بڑی کتابیں اُن مطالب پر مشتمل ہیں جنھیں یہاں (اِسے) جواب مضمون کہتے ہیں۔[1]

انگریزی الفاظ اِستے میں دو اصناف شامل ہیں ایک تخلیقی ادب سے متعلق ہے۔ دوسری غیر تخلیقی، علمی ہے۔ پہلی کو انشائیہ کہا گیا دوسری کو مقالہ۔ ان کے فرق پر ڈاکٹر محمد حسنین نے اپنی کتاب[2] صنفِ انشائیہ اور انشائیے کے مقدمے میں تفصیل سے نظر ڈالی ہے۔ ہم دونوں کو الگ الگ کہتے ہیں۔

انشائیہ: انگریزی میں سے LIGHT ESSAY کہتے ہیں۔ اس میں کوئی ادیب اپنے جذبات و خیالات کو کسی حد بندی کے بغیر من مانے طور پر سپردِ قلم کرتا جاتا ہے۔ اس کا انداز ادبی اور نقطۂ نظر خالص شخصی ہوتا ہے۔ اس میں علمی سنجیدگی یا ثقالت نہیں ہوتی انشائیے کی کئی اقسام ہیں جن میں ایک ابتدائی قسم تمثیلی انشائیے تھے جن کی بہترین مثال آزاد کا نیرنگِ خیال ہے۔ دوسری اہم نوع طنزیہ و مزاحیہ انشائیے ہیں۔ ان کی بھی ایک اور ذیلی صنف پیروڈی ہے۔ پیروڈی انشائیے کے علاوہ دوسری اصناف مثلاً نظم، افسانہ، ڈراما وغیرہ میں بھی پیش کی جا سکتی ہے۔ طنزیہ و مزاحیہ انشائیوں کی اقسام کے بارے میں خواجہ عبدالغفور نے اپنی کتاب طنز و مزاح کا تنقیدی جائزہ، (دہلی جون ۱۹۸۳ء) میں تفصیلی بحث کی ہے۔ لطیفے اور اخباروں کے فکاہیہ کالم مزاح میں شامل ہوتے ہیں لیکن یہ انشائیے نہیں۔ غبارِ خاطر میں خطوط کے پردے میں انشائیے تحریر کیے گئے۔

مقالہ: یہ سنجیدہ علمی موضوعات پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کی اقسام موضوع کی بنا پر کی جانی چاہئیں طول کی بنا پر نہیں۔ اس لحاظ سے یہ انشائیے اور مضمون سے مختلف ہو جاتا ہے کہ انشائیہ دس پندرہ صفحے تک کا ہو سکتا ہے اور مضمون پچیس تیس صفحات تک کا۔ مقالے کو ایسی کسی پابندی کی برداشت نہیں۔ تنقیدی یا تحقیقی مضمون دو چار صفحوں کا بھی ہو سکتا ہے، چالیس پچاس صفحوں کا رسالہ بھی ہو سکتا ہے اور سیکڑوں صفحوں کی کتاب بھی ہم یہ نہیں کر سکتے کہ محض دس پندرہ صفحوں کے مضمون کو صنفِ مقالہ کہیں اور پچاس ساٹھ صفحوں کی تحریر کو علیحدہ صنف قرار دیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسالوں میں لکھے جانے والے مضمون کو بھی مقالہ کہتے ہیں ایم اے اور ایم فل کے DISSERTATION کو بھی مقالہ اور ان سب سے آگے پی ایچ ڈی اور ڈی لٹ کی ڈگری کی پانسات سو یا ہزار بارہ سو صفحوں کی کتاب کو بھی تحقیقی و تنقیدی مقالہ کہتے ہیں۔

پہلے زمانے میں پتلی کتابوں کو رسالہ کہتے تھے۔ اب مقالے کی اصطلاح میں مختصر مضمون، رسالہ اور کتاب تینوں شامل ہیں۔ نظم و نثر کی کئی اصناف میں طول کو نظر انداز کرنے کی نظیر ملتی ہے مثلاً مثنوی کا اطلاق دو چار شعر کی مثنوی پر بھی ہوتا ہے اور فارسی شاہنامے اور اردو الف لیلہ نو منظوم پر بھی۔ مسدس تین چار بند کا بھی ہو سکتا ہے اور مسدسِ حالی کی شکل میں پوری کتاب کے برابر بھی۔ ڈراما ایک ایکٹ کا ہو یا پانچ

---

[1] دیباچہ نیرنگِ خیال مرتبہ مالک رام ص ۱۴، مکتبہ جامعہ دہلی۔ جون ۱۹۷۰ء

[2] ڈاکٹر سید محمد حسنین: مقدمہ بعنوان صنفِ انشائیہ، مشمولہ کتاب، صنفِ انشائیہ اور انشائیے۔ طبع چہارم پٹنہ اپریل ۱۹۷۸ء ص ۹ تا ۴۲

ایکٹ کا ڈراما ہی کہلاتا ہے۔ سوانح چار، پانچ صفحوں کی بھی ہو سکتی ہے پانسو صفحات کی بھی۔ ناول ڈیڑھ سو صفحوں کا بھی ہو سکتا ہے اور دو ہزار صفحات کا بھی۔ اس لیے ہم مقالوں کے معاملے میں بھی طول کو نظر انداز کر سکتے ہیں۔ طول کے لحاظ سے اس کی تین قسمیں (ذیلی اصناف نہیں) کی جا سکتی ہیں۔

۱۔ مختصر مقالہ جو پندرہ بیس پچیس صفحات کا ہو۔

۲۔ رسالہ جو تقریباً ۷۵ سے سو صفحات کا ہو۔

۳۔ طویل مقالہ یا کتاب جو سو صفحوں سے اوپر ہو۔

اب یہ ملحوظ رہے کہ اگر ڈگری یافتہ ضخیم کتابوں کو مقالہ کہا جاتا ہے تو پھر اسی نوعیت کی بغیر ڈگری کی کتابوں کو مقالہ کیوں نہ کہیں مثلاً نجم الغنی کی بحر الفصاحت، رام بابو سکسینہ کی تاریخ ادب اُردو، غلام رسول مہر کی غالب، صباح الدین عبدالرحمٰن کی دو جلدوں کی کتاب، غالب مدح و قدح کی روشنی میں، یا جاوید اقبال کی زندہ رود۔ ہاں جو کتابیں مختصر مقالوں کے مجموعے ہیں مثلاً سرور صاحب کی تنقیدی نظریے، یا شمس الرحمٰن فاروقی کی شعر، غیر شعر اور نثر۔ انہیں مختصر مقالوں ہی میں شمار کیا جائے گا۔

اس مضمون کے ابتدائی حصے میں غیر ادبی موضوعات مثلاً تاریخ، مذہب، سماجی اور سائنسی فطری سائنس کی کتابوں پہ بحث کی جا چکی ہے۔ یہ بھی طے کر لیا گیا ہے کہ غیر ادبی موضوعات کی کن کن کتابوں کو ادب کے حصار میں باندھا جا سکتا ہے۔ اس لیے ذیل میں صرف ادبی مقالوں کی قسمیں پیش کی جاتی ہیں۔ ان کے تین بڑے زمرے ہیں (۱) تحقیقی (۲) تنقیدی (۳) لسانیاتی یا زبان کے مختلف پہلوؤں سے متعلق ایک ایک کو دیکھیں۔

۱۔ تحقیقی تحریروں کی اصناف اور قسمیں :

ا : شعرائے تذکرے۔ ابتدائی تذکرے فارسی میں لکھے گئے بعد میں اردو میں بھی اردو کے تذکروں ہی سے سروکار ہے ان میں تحقیق کے علاوہ کسی حد تک تنقید بھی ملتی ہے۔ بعض تذکرے بیاضیں ہیں جن میں شاعر کا نثری تعارف برائے نام اور نمونہ کلام درج ہوتا ہے۔ اردو میں تذکرے کو ایک صنف کی حیثیت مل گئی ہے۔

ب۔ تاریخِ ادب : اس میں بھی تحقیق و تنقید دونوں کا امتزاج ہوتا ہے لیکن چونکہ یہ تاریخ ہے اس لیے اس کی بنیادی حیثیت تحقیقی ہے۔ تاریخِ ادب عام طور سے پورے اُردو ادب کا احاطہ بھی کر سکتی ہے یا اس کے کسی جزو کا مثلاً کسی ایک دور، کسی علاقے، کسی صنف کا۔

ج۔ وضاحتی فہرستِ مخطوطات : ان فہرستوں میں متعلقہ مخطوطے کا تعارف ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے متعلقات کی تحقیق کا خزینہ ہوتا ہے کتب خانوں کی فہرستوں سے ہٹ کر مشفق خواجہ کی جائزہ مخطوطاتِ اردو کل سرسبد ہے۔

د۔ دوسرے تحقیقی موضوعات پر مقالے یا کتابیں : انہیں علیحدہ سے صنف کا مرتبہ نہیں دیا گیا۔

۲۔ اب لیجیے تنقید کو : پہلے اس کی تین خصوصی شکلیں ملاحظہ ہوں :

ا۔ تقریظ : اس کا ماضی میں رواج تھا۔ اپنے ہم عصر مصنف کی کتاب پر اس کے دوست یا مداح کی ستائشی رائے کو تقریظ کہتے تھے۔ یہ بالعموم کتاب کے آخر میں شامل کی جاتی تھی۔ ممکن ہے کوئی تقریظ کتاب کی ابتدا میں بھی رہی ہو لیکن میری نظر سے

نہیں گزری تقریظ میں لفاظی، عبارت آرائی اور مصنف یا کتاب کی غیر معتدل، غیر مدلل مداحی پر زور دیا جاتا تھا۔

ب۔ مقدمہ: اب تقریظ کی جگہ مقدمے نے لے لی ہے۔ یہ کتاب کے شروع میں ہوتا ہے۔ یہ کبھی مصنف ہی کا لکھا ہوا ہوتا ہے، کبھی دوسرے کا۔ یہاں مصنف کا پیش لفظ یا دیباچہ یا مقدمہ ہماری بحث سے خارج ہے۔ ہم صرف اس مقدمے کا ذکر کر رہے ہیں جو مصنف کے علاوہ کسی دوسرے نے لکھا ہو۔ اس میں مصنف کی سوانح اور تعارف نیز کتاب کی تنقید ہوتی ہے۔ چونکہ یہ فرمائشی تنقید ہے اس لیے اس میں ناقد کی طرف داری سے کام لیا جاتا ہے۔

اگر کسی اہل الرائے کو مقدمہ لکھنے کی فرصت یا رجحان نہیں ہوتا تو وہ اپنی مختصر رائے دے دیتا ہے جو کتاب کے فلیپ یعنی گرد پوش کے اندرونی حصے پر درج کر دی جاتی ہے۔ بعض مقدمہ نگار مشہور رہیں۔ مقدمات عبدالحق اسی قسم کا کارنامہ ہے۔

ج۔ تبصرہ: یہ کسی کتاب پر ریویو ہوتا ہے۔ اردو میں تبصروں کے رسالے بھی نکلتے ہیں اور بعض مجموعے بھی شائع ہوئے مثلاً ظ۔ انصاری کی کتاب شناسی، مظفر حنفی کی 'جائزے'۔

مندرجہ بالا تینوں قسموں کو صنف کی حیثیت دی جا سکتی ہے لیکن تنقید کا بہت بڑا ذخیرہ تو باقی ہی رہا۔ یہ مختصر مقالے کی شکل میں بھی ہو سکتی ہے رسالے یا کتاب کی شکل میں بھی۔ یہ نظریاتی بھی ہو سکتی ہے عملی بھی۔ یہ کسی فرد سے متعلق ہو سکتی ہے یا کسی صنف ادب، تحریک، دبستان یا رجحان وغیرہ۔ یہ عام بات ہے کہ بعض مقالوں اور کتابوں میں تحقیق و تنقید دونوں ملی جلی ہوتی ہیں۔ تنقید کے لیے یہ ضروری نہیں کہ یہ مسلسل مضمون کی شکل میں ہو۔ بعض اوقات یہ مکتوب یا مکالمے کے پیرائے میں بھی لکھی جا سکتی ہے مکاتیب نیاز اور مجنوں کے پردیسی کے خطوط کسی فرضی محبوبہ کے نام لکھے گئے ہیں۔ ان میں سے بیشتر میں تنقیدی یا پھر دوسرے معلوماتی مضامین ہیں۔

شمس الرحمن فاروقی کا مضمون، افسانے کی حمایت میں، دو حصوں میں ہے۔ پہلا حصہ ایسی بات چیت کی شکل میں ہے جو ایک ہی شخص ایک مخاطب سے کئے جا رہا اور کہے جا رہا ہے۔ مخاطب کچھ نہیں بولتا۔ دوسرا حصہ افسانہ نگار اور نقاد کے بیچ ڈرامائی مکالمے کے انداز میں ہے۔

۳۔ آخری زمرہ زبان سے متعلق موضوعات کا ہے۔ واضح ہو کہ اصنافِ ادب نثر میں سے وہ لسانیاتی تحریریں خارج ہیں جو جدید وضاحتی لسانیات بالخصوص صوتیات اور جدید نحو سے تعلق رکھتی ہیں۔ انھیں معنی کی چھوت گوارا نہیں اور ادب معنی کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتا۔ ادب کے تعلق سے لسانی موضوعات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ عروض و قافیہ ۲۔ بلاغت ۳۔ قواعد ۴۔ لغت

لغت کے تحت افراد و اصناف کی فرہنگیں بھی آجائیں گی۔ غیر ادبی فرہنگوں میں اصطلاحات کی فرہنگیں قابل ذکر ہیں۔

نیم ادبی موضوعات میں مذہب، معرفت، اخلاق، فلسفہ، تاریخ اور تہذیب کا پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے۔

انسائیکلوپیڈیا یا قاموس

یہ لغت سے وسیع تر چیز ہے۔ لغت میں صرف معنی بیان کئے جاتے ہیں۔ قاموس میں زیادہ تفصیل دی جاتی ہے جو کسی شے کی تاریخ

اور اقسام وغیرہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ عام قاموس میں غیر ادبی اور ادبی دونوں قسم کے موضوعات ہوتے ہیں۔ مثلاً اس میں بندوق، اسکیمو، پن چکی کے ساتھ ساتھ ناول، ڈراما وغیرہ کے عنوانات بھی ہوں گے۔

کچھ مخصوص قسم کی قاموسیں بھی ہوتی ہیں مثلاً قاموس المشاہیر جو سوانح اور تذکرے سے مماثل ہے۔ قاموس الکتب جو کتابوں کی ڈائرکٹری ہے انگریزی میں انسائیکلوپیڈیا آف اسلام وغیرہ

اب کچھ اور نثری اصناف کا ذکر کریں۔

سوانح : اس میں کسی شخص کے حالاتِ زندگی اور شخصیت کے بارے میں لکھا جاتا ہے۔ یہ ایک مختصر مضمون بھی ہو سکتا ہے پوری کتاب بھی۔ پہلے اسے سیرت کہا جاتا تھا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں شخصیت کا بیان اہم ہوتا تھا۔ سیرت کی جمع سیر ہے۔ فارسی کی سیر العارفین صوفیوں کا تذکرہ ہے، سیر المتاخرین تاریخ کی کتاب ہے اور اردو کی سیر المصنفین مصنفہ محمد یحییٰ تنہا تاریخ ادب ہے۔ عام قارئین ان ناموں میں سیر کو غلطی سے سَیر یا سَیرِ ساکن پڑھ لیتے ہیں۔ اردو میں شبلی کی سیرت النبی مشہور سوانح ہے۔

آثار : الطاف فاطمہ صاحبہ تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند میں لکھتی ہیں:

"اسی زمانے میں سوانح نگاری میں ایک نیا تجربہ کیا جا رہا تھا یعنی ادیبوں کی تحریروں کی روشنی میں ان کا شخصی اور نفسیاتی تجزیہ۔ اس تجربے کے بانی قاضی عبدالغفار ہیں جنہوں نے آثارِ ابوالکلام آزاد اور آثارِ جمال الدین افغانی جیسی عجیب تصانیف کا اضافہ کیا۔[1]"

لیکن آثار کا ہمیشہ یہی مطلب نہیں لیا گیا۔ شیخ محمد اکرام نے غالب نامہ پر نظرِ ثانی کر کے اس کے دو حصے کر دیے۔ آثارِ غالب اور ارمغانِ غالب۔ گویا آثار کو سوانح کا مترادف کر دیا گیا۔

سوانحی لغت : اس میں حروفِ تہجی کے اعتبار سے سوانح درج کی جاتی ہیں مثلاً ماسٹر رام چندر کی تذکرۃ الکاملین۔ شعرا کے تذکرے بھی کسی حد تک سوانحی لغت ہیں۔

خاکہ : یہ کسی شخصیت کی قلمی تصویر ہوتی ہے۔ اس میں خارجی شخصیت کا بیان بھی ہوتا ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ اہم داخلی شخصیت یعنی عادات و اطوار، مزاج، نفسیات، پسند و ناپسند وغیرہ کی تفصیل ہوتی ہے۔ سوانحی کتابوں میں اگر مصنف کی شخصیت کے بارے میں کوئی علیحدہ باب ہوتا ہے تو وہ خاکہ ہی ہے۔ خاکہ نگاری دراصل انشائیے سے مل جاتی ہے۔ اس کے لکھنے کا انداز بھی انشائیے جیسا ہوتا ہے اس کے ابتدائی خدوخال شعرا کے تذکروں میں ملتے ہیں۔ آزاد کی آبِ حیات میں شعرا کے جاندار خاکے پیش کئے گئے ہیں۔ بحیثیت ایک آزاد صنف کے خاکہ نگاری کا وجود بیسویں صدی میں ہوا۔ فرحت اللہ بیگ کا طویل خاکہ نذیر احمد کی کہانی، کچھ ان کی کچھ میری زبانی، بہترین خاکہ ہے۔ عبدالحق، رشید احمد صدیقی، شوکت تھانوی، محمد طفیل وغیرہ اہم خاکہ نگار ہیں۔ اب اردو میں خاکوں کے مجموعوں کا ایک بڑا انبار ہے۔

آپ بیتی یا سرگزشت : یہ سوانح کی وہ قسم ہے جس میں کوئی خود اپنی سوانح لکھتا ہے۔ اس کی ابتدائی مثالیں وہ ہیں جن میں کوئی اہلِ قلم ایک آدھ صفحے میں اپنی سوانح کے کسی جزو کو بیان کر دیتا تھا مثلاً باغ و بہار کے دیباچے میں میر امن کے حالات۔ بعد میں یہ آزاد

[1] دسویں جلد ص ۶۱۰۔ لاہور فروری ۱۹۷۲ء

حیثیت میں، بیشتر کتابی شکل میں لکھی جانے لگی ۔ اردو میں ان کی وافر تعداد ہے ۔ آپ بیتی ناول کی شکل میں بھی لکھی جانے لگی ہیں ۔ ان میں قرۃ العین کا، کارِ جہاں دراز ہے، سرِفہرست ہے ۔ انھیں کی تقلید میں عصمت چغتائی نے کاغذی ہے پیرہن، کے نام سے اپنا سوانحی ناول شروع کیا ۔ اس کی چند قسطیں رسالہ آج کل میں شائع ہوئیں ۔

روزنامچہ یا ڈائری : اس میں کوئی شخص اپنے ماہ و سال کے کسی دور کا تاریخی سلسلے سے بیان کرتا ہے ۔ اس میں داخلی بیانات بھی ہوتے ہیں خارجی بھی ۔ یہ آپ بیتی کی ایک قسم ہے اس فرق کے ساتھ کہ آپ بیتی عموماً ولادت سے دمِ تحریر تک کے پورے عرصے پر حاوی ہوتی ہے اور روزنامچہ ایک مخصوص دور تک محدود رہتا ہے ۔ خواجہ حسن نظامی کا روزنامچہ معروف ہے ۔ مولوی مظفر علی سندیلوی کا روزنامچہ ۹۵۰ صفحات پر پھیلا ہوا ہے ۔ یہ ۱۹۱۱ء میں ختم ہوا ۔ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی نے اس کا پونے دو سو صفحات کا اقتباس 'ایک نادر روزنامچہ' کے عنوان سے ۱۹۵۴ء میں شائع کر دیا۔[1] عبدالماجد دریابادی نے، محمد علی : ذاتی ڈائری کے اوراق' کی دو جلدیں ۵۶/۱۹۵۵ء میں شائع کیں ۔

دوسری طرف مجنوں کی ڈائری، ناول ہے ڈائری نہیں ۔

یادداشتیں (MEMOIRS) : یہ بھی آپ بیتی کی ایک قسم کہی جا سکتی ہے ۔ اس میں اپنی زندگی کے واقعات اور تجربے اس طرح بیان کیے جاتے ہیں کہ دوسرے کئی اشخاص کے بارے میں دلچسپ شخصی معلومات سامنے آجاتی ہیں، ان کی شخصیت کی جھلک دکھائی دے جاتی ہے ۔ یہ آپ بیتی کی قسم ہے کیونکہ اس میں واقعات مصنف کے پس منظر میں بیان کیے جاتے ہیں ۔ یہ آپ بیتی سے پرے ہے کیونکہ اول تو اس میں تاریخی تسلسل نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ دوسروں کے بارے میں بہت کچھ لکھا جاتا ہے ۔ یادداشت کا مصنف ایک انشائیہ نگار ہوتا ہے ۔ اس کا قلم آزاد ہوتا ہے جہاں سے چاہے جو چاہے بیان کر دے ۔ ان بیانات میں تخلیقی ادب کی شان ہوتی ہے کیونکہ یہ افسانوی انداز سے شرح کیے جاتے ہیں ۔ ادھر یادوں کی برات، یادوں کے چراغ، یادوں کے سائے قسم کی جو کتابیں لکھی گئیں وہ یادداشتیں ہی ہیں ۔ پاکستان میں اس صنف کو یادنگاری کہا جاتا ہے ۔

سفرنامہ : اس میں ذاتی نقطۂ نظر سے دوسرے مقامات کی سیر کرائی جاتی ہے ۔ اس میں تاریخ، جغرافیہ، معاشرت، معاشیات سبھی کی پٹ ہوتی ہے ۔ اس میں دوسروں کی شخصیت، ادبی تقریبوں اور ہنگاموں کا بیان عام ہو گیا ہے ۔ چونکہ آج کل اردو والوں کو بڑی تعداد میں باہر کے ملکوں میں جانے کے موقعے مل رہے ہیں اس لئے اب سفرنامے بیرونی ممالک سے مخصوص ہو گئے ہیں ۔ ویسے یہ صنف انیسویں صدی ہی سے ملتی ہے ۔ قدیم ترین سفرنامہ یوسف خاں کمبل پوش کا عجائباتِ فرنگ ۱۸۴۷ء ہے ۔

رپورتاژ : کسی تقریب کی کارروائی کا قرار واقعی غیر ادبی غیر جذباتی بیان روداد کہلاتا ہے ۔ ایک انشائیہ نگار اسے بیان کرے تو ایک افسانوی، تخئیلی، ادبی رنگ سے بیان کرے گا ۔ یہ رپورتاژ ہے جو تخلیقی ادب پارہ ہوتا ہے ۔ یہ کسی تقریب، تقریب سے متعلق سفر کسی واقعے کے بیان پر مشتمل ہوتی ہے ۔ اس میں دو چار آٹھ دس دن سے زیادہ کا بیان نہیں ہوتا ۔ عصمت چغتائی کا بمبئی سے بھوپال تک

---

[1] صبیحہ انور : اردو میں خود نوشت سوانح حیات ص ۱۴۳، لکھنؤ ۱۹۸۲ء ۔

ایک مشہور رپورتاژ ہے۔

انٹرویو ملاقات نگاری یا گفتگو : یہ صنف ریڈیو اور رسالوں کی مرہون منت ہے۔ ریڈیو میں ان سے ملے، قسم کے پروگرام کسی شخصیت کو بات چیت کے ذریعے افشا کرتے ہیں۔ رسالوں میں گفتگو کے عنوان سے ادبی شخصیتوں سے بات چیت رقم کی جاتی ہے پاکستان کے اخبار جنگ نے پہلی انٹرویو کا طریقہ رائج کیا۔ ہماری دلچسپی ادبی شخصیتوں سے انٹرویو کی ہے۔

خطوط ، خطوط میں انسان کسی رنگ و روغن کے بغیر اصلی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ چونکہ خط یہ جانتے ہوئے لکھا جاتا ہے کہ اسے شائع نہیں کیا جائے گا اس لئے یہ مکتوب نگار کی جذباتی اور نفسیاتی کیفیت کا سچا آئینہ ہوتا ہے۔ اردو میں مکاتیب کے بہت سے مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

جیسا کہ پیچھے لکھا جا چکا ہے نیاز اور مجنوں نے مکاتیب کے پردے میں تنقیدیں لکھیں۔ قاضی عبد الغفار نے لیلیٰ کے خطوط جیسا ناول محض خطوط کے پیرایے میں لکھا۔ ابوالکلام آزاد نے غبارِ خاطر کے خطوط سے انشائیہ نگاری کا کام لیا۔ خطوط میں تنقیدی، تحقیقی علمی سبھی قسم کے موضوعات اور بحثیں ملتی ہیں۔ ادبی خطوطِ غالب، کا موضوع ان کے نام سے ظاہر ہے۔

انگریزی میں جواہر لال نہرو نے اپنی بیٹی کے نام خطوط میں تاریخ بیان کی۔

مراسلہ ، مکتوب کی ایک قسم مراسلہ ہے۔ یہ عموماً اخباروں اور رسالوں میں شائع کئے جاتے ہیں۔ اخباروں کے مدیر کے نام خطوط کا عام رواج ہے۔ رسالوں کے مراسلے عام طور سے کسی تنقیدی تحقیقی یا سوانحی موضوع سے متعلق ہوتے ہیں۔ مراسلوں اور دوسرے خطوط میں یہ فرق ہوتا ہے کہ مراسلے غیر ذاتی ہوتے ہیں۔ یہ ایک قسم کے چھوٹے مقالے ہوتے ہیں۔

صحافت : غیر ادبی اصناف میں صحافت سب سے اہم ہے۔ اس کا سیاست سے گہرا تعلق ہے اس کے اخبار کے میڈیم روزنامہ اخبار، نیم ہفتہ وار اخبار اور ہفتہ وار اخبار ——— ہوتے ہیں۔ اردو میں سیاسی ہفتہ وار اخبار کم ہیں، سیاسی، ماہنامے گویا ہیں ہی نہیں۔ اردو کے متعدد بڑے بڑے ادیب صحافت سے متعلق رہے ہیں اس لیے ان کے زیر ادارت نکلنے والے اخباروں اور ان کی صحافتی تحریروں میں ادبی رنگ آنا ناگزیر تھا۔ ایسے ادیبوں میں سرسید، سجاد حسین، رتن ناتھ سرشار، شرر، مولانا محمد علی، ابوالکلام آزاد، غلام رسول مہر، عبد الحق عبد الماجد دریا بادی، خواجہ حسن نظامی اور حیات اللہ انصاری قابل ذکر ہیں ان کے علاوہ کچھ ایسے اہلِ قلم ہیں جو پہلے صحافی ہیں بعد میں ادیب ان میں ظفر علی خاں، جالب دہلوی، چراغ حسن حسرت، عبد المجید سالک وغیرہ کے نام لیے جا سکتے ہیں۔

اخباروں میں ذیل کے اجزا میں ادبیت کی گنجائش رہتی ہے۔

اداریے، کالم نگاری (سنجیدہ اور فکاہیہ یعنی مطائبات) ہفتہ وار ادبی ایڈیشن میں ادبی تحریریں، تبصرے۔

اخباروں کے غیر ادبی حصے میں خبریں اور اشتہار سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔ دراصل اخبار نکالا ہی جاتا ہے خبروں کے لیے اور اس کا مالی سہارا ہوتے ہیں اشتہارات۔

لہ انور سدید : پاکستان میں ۱۹۸۳ء کا اردو ادب، کتاب نما فروری ۱۹۸۴ء ص ۲۱

اصناف ادب نثر کا معاملہ نظم کی طرح کسا ہوا نہیں ڈھیلا ڈھالا ہے۔ اس کی گروہ بندی متفقہ نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ میں نے اصنافِ نثر کی گروہ بندی کسی مضمون یا کتاب میں دیکھی ہی نہیں۔ مختلف اصنافِ نثر کے بارے میں بہت کچھ لکھا ملتا ہے لیکن کسی نے جامع طریقے پر تمام اصناف کا احاطہ نہیں کیا۔ ذیل میں ایسی گروہ بندی کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ انتشار میں ترتیب پیدا کرنے کے مترادف ہے۔ اس میں منطقیت کے بجائے۔ اردو کی ادبی روایات کا خیال رکھا گیا ہے۔

اردو کی ادبی نثر کی اصناف

قدیم مختصر اصناف : کہاوت۔ پہیلی۔ دو سخنے یا نسبتیں۔ ملفوظات (بہ شمول اقوال)۔ لطیفہ۔

قدیم فکشن : نقل حکایت۔ رومانی کہانی یا داستانی کہانی (بہ شمول لوک کتھا)۔ داستان۔

جدید فکشن : مختصر افسانہ (بہ شمول طویل مختصر افسانہ) افسانچہ یا منی افسانہ

ناول (بہ شمول ناولٹ)

ڈراما (کئی ایکٹ کا اور یک بابی۔ اسٹیج ڈراما اور ریڈیو ڈراما)

انشائیہ : (بہ شمول تمثیلی، طنزیہ، مزاحیہ و غیر مزاحیہ انشائیہ)

مقالہ : (مختصر، اوسط حجم کا یعنی رسالہ۔ طویل یعنی کتاب)

(الف) تحقیقی : تذکرہ۔ تاریخ ادب۔ وضاحتی فہرستِ مخطوطات۔ دوسرے موضوعات پر تحقیقی مقالے یا کتابیں۔

ب تنقید : تقریظ۔ مقدمہ۔ تبصرہ۔ دوسرے تنقیدی مقالے یا کتابیں (نظریاتی یا عملی)

ج زبان سے متعلق : عروض، بلاغت (علم بدیع، معانی و بیان)، قواعد۔

لغت (ایک مصنف یا مصنف کی فرہنگ سمیت)

اشاریے اور کتابیات۔ غیر وضاحتی فہرستِ کتب۔

قاموس یا انسائیکلوپیڈیا : عام یا خصوصی۔ (مثلاً قاموس الکتب)

سوانح : دوسروں کی سوانح، آپ بیتی (مصنف کی تحریروں سے ماخوذ)، سوانحی لغت۔

خاکہ

آپ بیتی یا سرگزشت : آپ بیتی، روزنامچہ یا ڈائری۔ یادداشتیں یا یادنگاری۔

سفرنامہ

رپورتاژ

ملاقات نگاری یا گفتگو۔

مکتوبات۔ بہ شمول مراسلہ

نیم ادبی اصناف :

ا۔ مذہب و معرفت، فلسفہ، اخلاق، تاریخ، عمرانیات پر ادبی اسلوب کی تحریریں۔

ب۔ صحافت : روزناموں یا ہفتہ وار اخباروں کے ادبی انداز کے اداریے

کالم نگاری بشمول فکاہیہ مطائبات

غیر ادبی موضوعات جو ادب نثر کی اصناف نہیں، ماسوائے ادب موضوعات ہیں۔

ا۔ غیر ادبی انداز سے لکھے ہوئے مذہب، معرفت، فلسفہ، موسیقی، مصوری، رقص وغیرہ پر مقالے اور کتابیں۔

ب۔ مختلف سماجی علوم کے مقالے اور کتابیں۔

ج۔ مختلف سائنسوں اور ٹکنالوجی پر مقالے اور کتابیں۔

د۔ غیر ادبی سیاسی صحافت مثلاً اخباروں کی خبریں، سیاسی مضامین، سیاسی اداریے۔

ہ۔ دوسرے متفرق موضوعات کی تحریریں مثلاً ریلوے ٹائم ٹیبل، ٹیلیفون ڈائرکٹری، جنتری وغیرہ